72

عزم راسخ اور نیت نیک ہو تو اعلیٰ خدمات کا موقع مل جاتا ہے

(فرمودہ ۷ ستمبر ۱۹۱۷ء بمقام شملہ)

حضور نے تشہد و تعوذ کے بعد مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۹۰، ۹۱)

بعد ازاں فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ترقی اور اس کی بہبود کیلئے بہت سی راہیں تجویز فرمائی ہیں۔ لیکن ان راہوں کے نہ جاننے کی وجہ سے انسان بہت سی تکالیف اٹھاتا ہے انسان کے جسم کی بیماریوں کے متعلق ہی غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ہر مرض کے لئے کئی کئی دوائیاں پیدا کی گئی ہیں۔ کہیں کسی دوائی سے فائدہ ہوتا ہے۔ تو کہیں کسی دوائی سے۔ کبھی ٹیکہ لگوانے سے فائدہ ہوتا ہے تو کبھی دوائی کھانے سے۔ جب تک انسان نے تمام معالجات کو معلوم نہ کیا تھا تب تک گو بہت سی امراض کو لاعلاج بتایا جاتا تھا۔ لیکن جوں جوں انسان کا علم ترقی کرتا گیا تو معلوم ہوتا گیا کہ ہر مرض کا علاج ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے زمانہ میں تو شاید ایک آدھ ہی ایسی مرض ہو کہ جس کو لاعلاج بتایا جاتا ہو۔ لیکن جس زمانہ میں ابھی اطباء کا علم بالکل نامکمل حالت میں تھا

وہ بے شمار امراض کو لاعلاج جانتے تھے۔ چنانچہ پرانے زمانے کے اطباء اپنی کتابوں میں بہت سی امراض کے متعلق صاف طور پر لکھتے ہیں کہ وہ امراض لاعلاج ہیں۔ ایسے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ[1] یعنی ہر مرض کا علاج ہے۔ اور آج علم کی ترقی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق کر دی۔

رُوحانی امراض کا علاج

امراضِ رُوح کے متعلق بھی بہت سے علاج ہیں لیکن ان کو نہ جاننے کے باعث انسان ترقی سے محروم رہ جاتا ہے۔ حالانکہ بعض ایسی باتیں بھی ہیں کہ جن کے باعث انسان بغیر کچھ کئے بھی بہت کچھ حاصل کر لیتا ہے۔ چنانچہ جن آیات کو میں نے پڑھا ہے۔ ان میں بھی ایسی ہی باتوں کا بیان ہے۔ فرمایا

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

یعنی ضعفاء پر اور مریضوں میں اور ان پر جو نہیں پاتے کچھ کہ جسے وہ خرچ کریں کوئی حرج یعنی اعتراض نہیں جبکہ اخلاص رکھیں اللہ اور اسکے رسول سے نہ صرف یہ کہ ان پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ خدا انہیں محسن قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ یعنی وہ لوگ محسن ہیں اور ان پر کوئی الزام نہیں کیونکہ یہ لوگ دل میں تڑپ رکھتے ہیں کہ وہ کچھ کریں لیکن ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ جنگ تبوک کے موقع پر کچھ لوگ آئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی لیکن بسبب نہ میسر آنے سواری کے وہ نہایت حزیں ہو کر واپس چلے گئے[2] حزن سخت غم کو کہتے ہیں۔ اب یہ غم کیوں تھا کیا اس لئے کہ وہ دنیا کے مال سے محروم رہ گئے نہیں بلکہ بظاہر تو سخت خطرہ تھا۔ کیونکہ یہ جنگ تو قیصرِ روم کے ساتھ تھا جس کی اتنی بڑی بھاری قوت تھی جس سے عرب ڈرتے تھے۔ پس ان کا حزن اسلئے نہ تھا

---

[1] صحیح مسلم کتاب السلام باب لکل داءٍ دواءٌ

[2] بخاری کتاب المغازی غزوہ عسرہ یعنی تبوک و سیرت ابن ہشام حالات غزوۂ تبوک

کہ وہ دنیا کے مال سے محروم رہے اور بظاہر حال یہ تو خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا اور نہ اس کی کوئی امید ہو سکتی تھی۔ پس یہ کس طرح ممکن تھا کہ مالِ غنیمت کا خیال ان کو مغموم بنا رہا ہو پس ان کا حُزن اس لئے نہ تھا بلکہ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان کو صدمہ اس لئے تھا کہ کاش ان کے پاس مال ہوتا تو وہ اسے خدا کی راہ میں خرچ کرتے اسی لئے خدا نے فرمایا کہ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ یعنی محسنوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔ پہلے فرمایا۔ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ مِنْ حَرَجٍ۔ حرج کے معنے اعتراض کے ہیں۔ جیسا کہ عرب کے لوگ جو بڑی ہیں کہا کرتے ہیں کہ حدث عن البحر وما عليك من حرج ۔ یعنی سمندر کے متعلق جو چاہے بیان کرے پھر تجھ پر کوئی حرج نہیں۔ یعنی کوئی اعتراض نہیں۔

پھر فرمایا کہ یہ محسن ہیں ان پر کوئی الزام نہیں کیونکہ جب وہ بسبب سواری نہ مل سکنے کے واپس لوٹے تو انکی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ فیض کے معنے ہیں کہ برتن کا بھر کر اس میں سے پانی کا بہنا۔ پس ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا ان کے قلب کے حُزن سے پُر ہوتے میں ایک نشان ہے یہاں ان لوگوں کو صرف دل کی خواہش نے محسن بنا دیا ہے گویا بغیر کسی کام کرنے کے وہ خدا کے حضور میں محسن کہلائے۔ اس حال میں کہ ان کے دلوں میں خدا اور اسکے رسولؐ کی محبت بھری ہوئی تھی۔ اگر ان کے پاس مال ہوتا تو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے اور اگر موقعہ ملتا تو وہ جان کو بھی قربان کرتے۔

پس معلوم ہوا کہ بغیر عمل کئے بھی انسان محسن ہو سکتا ہے اور یہ اس صورت میں جبکہ اس کے دل میں صدق اور اخلاص ہو۔ آجکل جان دینے کا موقع نہیں ہے لیکن پھر بھی اگر ایک احمدی دل میں یہ نیت رکھتا ہے کہ اگر اس کو اللہ کی راہ میں گھر سے بے گھر اور مال و اولاد سے یک طرف اور خویش و اقارب سے علیحدہ ہونا پڑے اور خدا کی راہ میں جان دینی پڑے تو وہ بلا دریغ نہایت خوشی کے ساتھ اللہ کی راہ میں جان دے دے گا۔ تو ایسے لوگوں کیلئے بھی خدا تعالیٰ کے ہاں وہی درجہ ہے جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرنیوالوں اور اس کے دین کے لئے جان لڑانے والوں کا درجہ ہے۔ ایسے لوگ نہ صرف وہ ثواب پاتے ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں

کو ملتا ہے۔ بلکہ یہ لوگ ان کے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے کہا کہ مدینے میں کچھ ایسی جماعتیں ہیں کہ وہ مدینہ میں بیٹھے ہی تمہارے ساتھ ہیں۔ اگرچہ وہ جماعتیں وہ تکالیف نہیں اٹھاتیں جو تم اٹھا رہے ہو کیونکہ وہ مجبوراً وہاں رہ گئے ہیں[1]

مگر یہ درجہ صرف معمولی خواہش سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہ درجہ اسوقت ملتا ہے جبکہ دل اپنی مجبوری پر سخت مغموم ہو اور کڑھتا ہو اور اس میں سخت تڑپ ہو کہ کاش وہ بھی کچھ اللہ کی راہ میں صرف کرنے کی قدرت رکھتا اور اسے بھی اللہ کی راہ میں جان کو قربان کرنے کا موقعہ ملتا۔ اگرچہ ایسی حالت میں انسان کے جوارح ساتھ نہ ہوں لیکن بسبب سچی تڑپ وہی درجہ پاتا ہے جو درحقیقت خدا کی راہ میں جان و مال قربان کرنے والوں کو ملتا ہے۔

آجکل ہماری جماعت بھی کئی کام نہیں کرسکتی۔ بسبب مجبوری کے تو ان آیات میں اس کیلئے بھی ایک سبق ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کو یہ توفیق نہیں کہ وہ اپنے کام سے فرصت پاکر تبلیغ کرے۔ یا بسبب افلاس کے کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرسکے تو اگر اس کی ہمت بلند ہو۔ اور نیت پاکیزہ ہو اور دل میں یہ تڑپ ہو کہ کاش وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرسکے اور تبلیغِ حق کی اسے توفیق ہو تو اس کے لئے بھی اللہ کے ہاں وہی اجر ہے جو تبلیغ کرنے والوں اور فی سبیل اللہ خرچ کرنیوالوں کے لئے ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو نیت کے سبب بڑے مدارج پر پہنچ جاتے ہیں۔ اور بہت ہیں جو نیک نیت نہ ہونے کے باعث ہلاک ہوجاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ صدیق کی وجہ فضیلت یہی بیان کی کہ ابو بکر کو جو تم پر فضیلت ہے وہ اسکے اعمال کے باعث نہیں بلکہ اس کی نیت کے باعث ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے نیۃ المومن خیر من عملہ[2]۔ اس قول کے متعلق دو غلطیاں ہوئیں ایک یہ کہ اس کو حدیث قرار دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ اس کے معنے یہ کئے گئے کہ عمل کرنے کی نسبت نیک نیت بہتر ہے دراصل اس کے معنے یہ ہیں کہ مومن جس قدر

---

[1] بخاری کتاب الجہاد والسیر باب من حبسہ العذر عن الغزو۔ [2] اردو ترجمہ مکاشفۃ القلوب مصنفہ امام غزالی

نیک عمل کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر عمل نیک کرنے کی نیت رکھتا ہے۔ ہزار خرچ کرتا ہے تو نیت ہوتی ہے کہ اگر دس ہزار ہوتا تو وہ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا اور باوجود اس کے اسے غم ہوتا ہے کہ میں نے کوئی خدمت نہ کی اور وہ بڑھ کر عمل کرنے کی نیت رکھتا ہے۔

نیتِ بد انسان کو اکثر ہلاک ہی کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص کی کُتیا نے بچے دیئے۔ اس کے کسی دوست نے اس سے ایک بچہ مانگا تو اس نے جواب دیا کہ کُتیا کے بچے تو سب کے سب مر گئے۔ لیکن اگر وہ زندہ بھی ہوتے تب بھی میں کوئی بچہ نہ دیتا۔ اس کے دوست نے کہا کمبخت تمہارے خبثِ باطن کی پردہ پوشی کے لئے بچے تو سب کے سب مر ہی گئے تھے لیکن تم نے اپنے خبثِ باطن کو ظاہر کر ہی دیا۔

غرض ایک شخص یہ نیت رکھتا ہے کہ مَیں اگر ضرورت پیش آجاوے تو وطن کو مال کو اولاد کو کاروبار کو خدا کیلئے چھوڑ دوں گا۔ تو وہ شخص اپنے گھر اور بال بچوں میں رہتے ہوئے اور اپنا کاروبار کرتے ہوئے بھی ان لوگوں میں داخل ہو جائے گا جنہوں نے وہ سب کچھ فی الواقعہ ترک کیا۔

نیت نیک سے عمل نیک کی توفیق بھی ملتی ہے۔ اور وہ انسان کو کام کا اہل بھی بنا دیتی ہے جبکہ وہ بار بار اس کو دل میں لاتا رہتا ہے۔ جب زندہ لوگ اپنی قوم میں ایسی رُوح پھونکنا چاہتے ہیں تو ان کی ہمتوں کو بلند کرنے کے لئے ان کو مختلف پیرائیوں میں بتاتے ہیں کہ وہ ایسے ہیں اور ایسے ہیں اور ان کے آباؤ اجداد ایسے تھے کہ ملک کیلئے اپنی جانوں کو بے دریغ قربان کرتے تھے وغیرہ وغیرہ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت پر وہ قوم بھی جان قربان کرنے کو تیار ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس کے متعصّب لوگوں کی لکھی ہوئی تاریخ ہند پڑھ پڑھ کر بہت سے لوگوں کو اسلامی سلطنت کے ظالم ہونے کا خیال پیدا ہو گیا۔ انگلینڈ کو دیکھو کہ موجودہ جنگ کے موقعہ پر ابتداءً تھوڑی سی فوج جو قریب ایک لاکھ تھی دشمن کے مقابل لا سکا۔ لیکن چونکہ اہل انگلینڈ کے دلوں میں ابتداء سے ہی فرض شناسی کی عادت قومی اور خدمتِ ملکی کے جذبات کو باربار ڈالا گیا تھا۔ اس لئے اب ضرورت کے وقت وہ دفعۃً تیار ہو گئے۔ یہاں تک کہ اب سب سے زیادہ فوج انگلستان ہی

کی ہے جو اس جنگ میں دشمن کا مقابلہ بڑی سرگرمی سے کر رہی ہے۔
شملہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں کام کی کثرت ہے اور فرصت کم۔ مثلاً ملازمت پیشہ لوگوں کا بہت سا وقت ملازمت میں ہی صرف ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر یہاں کے لوگ بھی ہمّت بلند اور نیت نیک رکھیں اور ہر وقت اللہ کی راہ میں اعلیٰ خدمات کی بجا آوری کے لئے تیار رہیں تو یہ لوگ بھی ان لوگوں میں شامل ہوں گے جو اللہ کی راہ میں کوشش کرنیوالے اور اعلیٰ خدمات بجا لانے والے ہیں۔

(الفضل ۲۵ ستمبر ۱۹۱۷ء)